ĪQĀN- Vol: 02, Issue: 04, Jun-2020
DOI: 10.36755/iqan.v2i04.145 PP: 33-50

OPEN ACCESS
ĪQĀN
pISSN: 2617-3336
eISSN: 2617-3700
www.iqan.com.pk

مسیحیت میں دینی اور اخلاقی رویوں پر مذہبی پیشوائیت کے اثرات کا جائزہ

The Review of impacts regarding Sacerdotalism on religious and moral conduct of Christianity

Rizwan Elahi
Lecturer, Department of Islamic Studies
Govt. Postgraduate College of Science, Faisalabad, Pakistan.

****Dr. Sajid Asdullah***
Associate Professor, Department of Islamic Studies
Govt. Postgraduate College Samanabad, Faisalabad, Pakistan.

Version of Record
Received: 08-Jan-20 **Accepted**: 01-Jun-20
Online/Print: 30-Jun-20

ABSTRACT

Freedom of human mind, essential to intellectual progress, has been trampled unprecedentedly by the Christian Church, in human history. The despotism displayed by the Priest was unmatchable even to the absolutism, manifested by Alexander and the Caesar. In the middle Ages, when every other institution of society was awakening from slumber of superstitions and advancing towards Renaissance, the church had rooted its totalitarianism with such dexterity that it was unshakable. If it had been exponent of divinity instated of despicable activities, the history of human enlightenment would not have been checked by murk of cruelty, ignorance and usurpation. It is need of our time to wash out the blemish of rigidity, intolerance and fanaticism, thrust upon the face of Islam. To abolish brutality and inhumanity, engulfing the whole planet, it is inevitable to diagnose the origin of this viciousness. In this regard, the exploration of the divine revelation of Testaments may be helpful. It is conjectured that the perusal would be conducive to bring to lime light, the strings of havoc waged in the name of Sacerdotalism. The forces trying to defame Islam in itself have been the epitome of narrowness, dogmatism and bigotry.

***Keywords**: Christianity, Testaments, Sacerdotalism, Peter, Pope, Bishop, Priesthood, Presbyter.*

CC BY

تعارف:

آزادی انسانی زندگی کا وہ بنیادی عنصر ہے جس سے مستحکم ،پرامن اور مثالی معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ مگر تاریخی شواہد بتاتے ہیں کہ خود انسان نے ہی انسان کو اس بنیادی حق سے محروم کیا اور انسان جسمانی یا فکری طور پر فرد ، سماجی گروہوں یا کسی ادارے کا غلام ٹھہرا۔ اس انسانی استحصال میں فرد ، سیاسی گروہ اور معاشرتی طبقات کے ساتھ ساتھ کارپردان مذہب بھی شامل ہیں۔ آخر الذکر فریق نے فرد کی آزادی کو مذہب کے نام پر سلب کیا اور یہ آزادی سلب کرنے میں مذہبی پیشوائیت کا کردار نہایت غیر مستحسن رہا۔ مذہبی پیشوائیت کو دیگر مذاہب کی نسبت مسیحیت اور ہندومت میں زیادہ مقام و مرتبہ حاصل رہا ہے۔ مقالہ ہذا میں اول الذکر کلیسیائی پیشوائیت کا جائزہ لیا جائے گا۔

عصر حاضر میں مغربی اقوام کی مذہب بیزاری کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ تاریخ اس پر شاہد عدل ہے کہ مغرب میں مذہب بیزاری وانکار مذہب کی فکری ساخت میں مسیحی پیشوائیت کا جبر، بھی ایک اہم عنصر ہے۔ مختلف معاشروں میں مذہبی پیشوائیت کا تصور تو پرانا ہے مگر اسے بطور موثر نظام کیتھولک کلیسیا نے یورپ میں رائج کیا۔ قرون مظلمہ (Dark Ages) میں کلیسیائی پاپائیت کی طاقت و اقتدار کے حصول کے لئے جائز و ناجائز حربے ، جبر و اکراہ ، عدم برداشت ، زر پرستی ، عقل مخالفت اور علم دشمنی کے قصے زبان زد عام تھے اور انہیں غلط طور پر صرف مسیحیت کی بجائے ادیان عالم کی مذہبی روایت پر چسپاں کر دیا گیا اور آج مذہب یا اہل مذہب کے بارے منفی رویے کی ذہنی ساخت کے پیچھے اس کلیسیائی پیشوائیت کا رد عمل بھی جھلک رہا ہے۔ اور یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ یورپ میں چرچ اور ریاست کی علیحدگی ہی اس کا رد عمل نہیں بلکہ سابقہ صدی کی مختلف فکری تحریکوں میں مذہب بیزاری، انکار مذہب اور مذہب مخالف افکار و نظریات کا جگہ پانا بھی اس کی ہی دَین ہے۔ حتی کہ آج کا مغرب الحادیت کی زلفوں کا اسیر ہوا ہے اس کے ذمہ دار بھی بالواسطہ یا بلاواسطہ یہی پیشوائیت ہی ہے اور اس کا خمیازہ پوری انسانیت کو عمومی اور مذہبی دنیا کو خصوصی بھگتنا پڑا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مغرب میں عقل پرست ، بائیں بازو، الحادی تحریکوں کے ساتھ ساتھ غیر جانب دار اہل قلم کی جانب سے مذہبی جبر اور مذہبی پیشوائیت کو بہت زیادہ موضوع سخن بنایا گیا۔ راقم الحروف نے شریک مقالہ نگار کے راہنمائی میں 'مسیحیت میں مذہبی پیشوائیت کی روایت (تاریخی و تجزیاتی مطالعہ)' کے عنوان پر ایم فل کا مقالہ لکھا تو اس موضوع پر درج ذیل چند معروف ترین کتب کے نام سامنے آئے:

- *Draper, John William, History of the Conflict Between Religion and Science (New York : D. Appleton and Company, 1875)*
- *Edward Peters, Heresy and Authority in Medieval Europe, (Philadelphia: University of Pennsylvania, 1880)*
- *Gregory, Williams, The Sacramental Life, an Orthodox Christian Perspective, (London: Liberty TN, St. John of Kronstad Press, 1986.)*
- *Fiona Nichols, Rome and the Vatican (London, New Holland Publishers, 2006)*
- *Foot, G.W & Wheeler, J.M. Crimes of Christianity (New York: Harper Collins, 1887)*
- *Gibbon, Edward, The Decline and Fall of Roman Empire (London: Frederikck Warne and*

Co.1966)
- *Helen, Ellerbe, The Dark Side of Christian History (Chicago: Alice Walker, 1996)*
- *Jonathan Kirsch, The Grand Inquisitors (New York: Harper Collins, 2008)*
- *Lecky, William Edward, History of European Morals (New York: D. Appleton and company, 1875)*
- *Mattox, Fount, William, The Eternal Kingdom (Arkansas: Gospel Light Company, 1960)*
-*McCabe, Joseph, A History of Popes (London: Watts & Co.,1939)*
- *McCabe, Joseph, Crises in the History of Papacy (New York: G.P. Putnam's Sons, 1916)*
-*Ranke Leopold Von, History of the Popes their Church and State (New York: P.F Collier & Son, 1901)*
-*Wylie, J.A Rev. The Papacy, its History , Dogmas, Genius and Prospects(London: Johnstone and Hunter,1851)*

لغوی واصطلاحی مفہوم:

فارسی زبان کے لفظ پیشوا کے معنی رہبر، امام اور نمونہ کیے جاتے ہیں۔ لغات کشوری میں پیشوا کا معنی رہنما اور ہادی کیے گئے ہیں۔[1] مرہٹوں کے مورث اعلیٰ بالاجی کو بھی اسی لیے پیشوا کہا گیا ہے۔[2] جب کہ انگلش میں اس کے لیے لفظ پریسٹ 'Priest' مستعمل ہے جو دراصل لاطینی لفظ 'Presbyter' اور یونانی 'Presbuteros' یا 'Presbyteros' سے ماخوذ ہے جس کا مطلب بڑا یا بزرگ کے ہیں۔ جب کہ ایک رائے میں یونانی لفظ 'Hiereus' بھی اس کے ماخذ میں ہے۔[3] یہ لاطینی زبان کے لفظ 'Sacerdos' سے بھی معنوی اعتبار سے ملتا جلتا ہے۔ انگریزی زبان میں مذہبی پیشوا کے لئے 'Sacerdot' بھی استعمال ہوتا ہے جو کسی مذہبی تقریب یا عبادت میں پادری کا فریضہ سرانجام دینے والے فرد کے لیے مستعمل ہے۔ اس طرح 'Sacerdotalism' مذہبی پیشوائیت کے وسیع تر مفہوم کو شامل ہے جو لوگوں کی سوچ اور اعمال پر مذہبی پیشوا کے مکمل تسلط کو ظاہر کرتا ہے۔[4] پادری ایف ایس خیر اللہ کے نزدیک 'Priest' کا ترجمہ کاہن بمعنی پاک کیا جاتا ہے یعنی اس سے مراد وہ مخصوص شخص ہے جو پاک کاموں میں مصروف ہو۔ شروع میں عبرانی لفظ کوہن 'Kohen' سے مراد ایسا شخص لیا جاتا تھا جس کا تعلق غیب بینی اور علم الہیات سے ہو۔[5] مذہبی پیشوا کے لئے ایک اور مستعمل لفظ

---

[1] رضوی، تصدق حسین، **لغات کشوری** (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، س ن)، ۸۸.

[2] دہلوی، احمد سید (مرتب)، **فرہنگ آصفیہ** (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء)، ۱:۵۷۶.

[3] Smolarski, D. C, *Sacred Mysteries: Sacramental Principles and Liturgical Practice* (New York: Paulist Press, 1994), 128.

[4] Editing Staff, The *Chambers Dictionary* (Edinburgh: Chambers Harrap Publishers Ltd, 2007), 1342.

[5] خیر اللہ، ایف ایس، پادری، **قاموس الکتاب** (لاہور: مسیحی اشاعت خانہ، ۲۰۰۵ء)، ۷۶۹.

'Minister' بھی ہے۔ **اس کے** متعلق لکھا گیا ہے کہ 'Minister' لاطینی زبان کے لفظ 'Minorless' سے مشتق ہے۔[1] پاپائیت 'Papacy' اور مذہبی پیشوائیت کو قریب المعنی خیال کر لیا جاتا ہے۔

مختلف تعریفات کی رو سے بعض ادوار اور عہد کی مخصوص تہذیب و تمدن کے پس منظر میں مذہبی پیشوا ایسا شخص قرار پاتا جو عمر میں بڑا ہوتا اور اس سے ایسی غیر معمولی صلاحیتیں اور اوصاف وابستہ کیے جاتے جو اسے الوہی صفات کی حامل ہستی کے اسرار منکشف کرنے پر مہمیز کر سکیں اور اس کا ماورائے فطرت قوتوں سے رابطہ کر سکے بلکہ فطرت کم و بیش اس کے تابع ہوتی۔

ہمارے ہاں غلط طور پر مسلم مذہبی راہنما کو مُلا اور مذہبی پیشوائیت کو عموماً مُلائیت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یعنی ایک ایسا رویہ جو عصری علوم سے بے بہرہ، تعقل پرستی سے دور ایک سخت اور بے لچک کردار، جو مذہب کو ذاتی مفاد کے لیے استعمال کرنے والا سمجھا جاتا ہے۔ اس کا ارباب اقتدار کے ساتھ گٹھ جوڑ ہوتا ہے اور یہ تخت و تاج کی غلط اور عوام الناس کے استحصال پر مبنی پالیسیوں کی حمایت کرتے ہوئے عوام کو اس کی اطاعت و انقیاد کا سبق پڑھاتا ہے اور بدلے میں مالی وظائف سے نوازا جاتا ہے۔ لیکن حقیقتاً مذہبی پیشوائیت کیا ہے اور اس کا تاریخی پس منظر کیا ہے، ذیل کی سطور میں اسے واضح کیا جاتا ہے۔

مذہبی پیشوائیت، تعارف و تاریخی ارتقاء:

ازمنہ قدیم سے انسان مختلف مظاہر فطرت مثلاً آگ اور اجرام فلکی کے سامنے سر جھکاتا رہا اور مختلف النوع دیوتاؤں کی پرستش کرتا آیا ہے۔ اس کے لیے مذہب کے نام پر ادا کی جانے والی رسومات و شعائر کی ادائیگی سماج کی طرف سے ایک نمائندہ شخصیت کے سپرد ہوتی جسے عموماً پروہت، کاہن یا پیشوا سے تعبیر کیا جاتا۔ بعض غیر معمولی صلاحیتیں اور اوصاف اس سے وابستہ کیے جاتے اور اسے قدرت کے رازوں کا امین اور خدائی دستور کا ترجمان سمجھا جاتا۔ آہستہ آہستہ یہ مخلوق اور معبود یا دیوتا کے درمیان ایک واسطہ بن گیا (یہ رسالت یا پیغمبر سے مختلف تصور تھا)۔ کوئی عبادت، پرستش یا قربانی کی ادائیگی اس کے بغیر نہ ہو پاتی۔

بعض قدیم معاشروں میں مذہبی پیشوائیت اور ریاست کے سربراہی کے لئے ایک ہی فرد ذمہ دار ہوتا تھا جس کی ذمہ داریاں مختلف ادوار اور مختلف معاشروں کے رسم و رواج اور حالات و واقعات کی بناء پر گوناگوں رہی ہیں ان میں مختلف مذاہب کے مخصوص سیاق و سباق، ماحول اور ضروریات کے مطابق مذہبی شعائر کی ادائیگی، جھاڑ پھونک کرنا، بیماریوں کا تدارک اور علاج معالجہ بھی شامل تھا۔ بہر حال کہا جاسکتا ہے کہ اپنے لوگوں کا تحفظ اور بچاؤ کرنا اور جسمانی اور روحانی سکون کو بحال کرنا، یہ وہ تمام امور ہیں، جو مذہبی پیشوا کی ذمہ داریوں کا بھی محور رہے ہیں۔ یہ بھی گمان ہے کہ معاشرے کے ارتقاء کے ابتدائی مرحلے پر اکثر شاہ اور مذہبی پیشوا کی ذات مافوق الفطرت ہستی یا خدائے مجازی تصور کی جاتی تھی اور اس عقیدے کے مطابق یہ خیال کیا جاتا تھا کہ فطرت کم و بیش اس کے تابع ہے۔

[1] Editing Staff, *The Chambers Dictionary*, 1208.

شاہی تاج کے ساتھ مذہبی فرائض کی وابستگی قدیم اٹلی اور یونان میں ایک عام چیز تھی۔ نیز دینی اور دنیوی اقتدار کا جو امتزاج اٹلی اور یونان میں دیکھا گیا وہ تقریباً مختلف مقامات پر مختلف ادوار میں موجود رہا ہے۔[1]

مسیحیت کے آغاز سے پہلے یونانی، رومی اور آتش پرست تہذیبوں کا غلبہ تھا اور اصنام پرستی ان تہذیبوں کا جزو لاینفک رہی ہے۔ مسیحیت نے اپنی تعلیمات میں جب نظر نہ آنے والے آسمانی باپ اور قابل پرستش ہستیوں۔ جو کہ حواس کی زد سے باہر ہیں۔ کا تذکرہ شروع کیا تو ماننے والوں کے لئے تفہیم کی مشکلات درپیش ہوئیں۔ اس پریشانی سے نبرد آزما ہونے کے لئے مسیحیت نے آہستہ آہستہ آسمانی بادشاہت کو زمین پر چلنے پھرنے والے پادری کے ساتھ منسلک کرنا شروع کر دیا۔ یہ کلیسیائی پیشوائیت کی خشت اول تھی اور پھر چشم فلک نے دیکھا کہ روحانی بادشاہت کے داعی مغربی کلیسیاء پر طاقت و اختیارات کی دیوی یوں مہربان ہوئی کہ زمینی سیاسی بادشاہ کا اقتدار بھی پوپ کی چشم ابرو کا مرہون منت ٹھہرا اور اقتدار اور زر کے اکٹھ نے جب اپنا رنگ دکھایا تو نتیجہ یہ نکلا کہ دنیاوی مال و متاع اور جاہ و جلال کا حصول روحانی فرائض پر حاوی ہوتا چلا گیا۔ کلیسیائی نمائندوں کے ایمان داری اور پاک بازی و پارسائی کی بجائے بدعنوانی اور بداخلاقی کے قصے زبان زد عام ہونے لگے۔ 'Wylie' نے بجا طور پر اس صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ مذہبی پیشوائیت کے عروج کا سراغ بلاشک و شبہ انسانی فطرت کے بدعنوانی کی طرف جھکاؤ میں ملتا ہے۔[2] بدقسمتی سے تاریخ نے اس تبصرے پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔

کلیسیاء اور مذہبی پیشوائیت:

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے صعود آسمانی کے بعد مسیحیت میں مذہبی رہنمائی کے فرائض ان کے حواری جناب پطرس (م ۶۷ء) نے سرانجام دیے جنہیں کلیسائی روایت کے مطابق خود حضرت عیسی علیہ السلام انہیں یہ مقام تفویض کر گئے تھے۔[3] بعد ازاں پطرس کے جانشین کے طور پر پوپ اس منصب پر مسند نشین ہوئے۔ مسیحی کلیسیاء کو دوام بخشنے والے قسطنطین اعظم (م ۳۳۷ء) کلیسیائی تاریخ کا وہ بطل جلیل ہے جس نے مسیحیت کو سرکاری سرپرستی بخشی۔ لیکن اس کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ قسطنطین کے عہد (۳۰۶ء—۳۳۷ء) میں مسیحیت کے شاہی مذہب بن جانے کے بعد مذہبی پیشوائیت (Priesthood) پاپائیت (Papacy) کے راستے پر گامزن ہو گئی اور اقتدار کی راہداریوں میں بتدریج اپنا اثر و رسوخ بڑھانا شروع کر دیا حتی کہ تاریخ کے جھروکوں میں پوپ کے طرز زندگی میں دنیوی حکمرانوں کی سی شان و شوکت کا اظہار نظر آتا ہے۔ یہاں تک کہ کلیسیاء کی ریاست میں شراکت داری ہو گئی:

> *"Under Constantine the empire was divided into four prefectures, these four prefectures into dioceses, and the dioceses into provinces. In making this arrangement, the state acted within its own province; but it stepped out of it altogether when it began, as it now did, to fashion the Church upon the model of*

---

[1] Frazer, J. G., *The Golden Bough* (New York: The Macmillan Company, 1925), 106.

[2] Wylie, J.A. Rev, *The Papacy its History, Dogmas, Genius and Prospects* (London: Johnstone and Hunter, 1851), 2.

[3] متی،۱۶:۱۸.

the Empire. The ecclesiastical and civil arrangements were made, as nearly as possible, to correspond"[1]

"قسطنطین کے عہد میں سلطنت چار دیوانی اختیارات پر مشتمل حلقوں میں منقسم تھی۔ یہ چار اضلاع لاٹ پادریوں میں بانٹے گئے تھے اور ان اضلاع کو علاقوں میں بانٹا گیا تھا۔ اس انتظام کی رو سے پہلے تو حکومت نے اپنے دائرہ کار میں رہ کر ہی کام کیا مگر دائرہ کار سے تجاوز کی فضا نے اس وقت جنم لیا جب پادریوں نے گرجا کو ریاست کی اساس قرار دے دیا۔ مذہبی اور ریاستی ذمہ داریاں کو جدا کرنے والی حد کا تعین ممکن نہیں رہا تھا۔"

کارڈینل (Cardinal) کی صورت میں وزیر و مشیر اور پوری دنیا میں اس کے نمائندے تھے۔ اس زمانے میں مذہبی پیشوا ایک طاقت ور حکمران کے طور پر سامنے آتا ہے۔ بقول کسے " پاپائے روم کی شخصیت اس قدر ممتاز ہو گئی جسے کوئی دنیوی طاقت نہ دبا سکتی تھی۔ اس پر طرہ یہ کہ مشرقی شہنشاہ نے مغربی نظام سے بالکل آنکھیں پھیر لیں جس کا اثر یورپ کے مذہبی سیاسی اور ملکی رسوخ پر اس قدر گہرا ہوا کہ پاپائے روم مطلق العنان حکمران تسلیم ہونے لگا"[2] پوپ کی اسی مطلق العنانی نے مسیحیت میں بالخصوص اور دنیا پر بالعموم بہت گہرا اثر چھوڑا۔ آہستہ آہستہ صورت حال یہ ہو گئی کہ عقائد، معاملات، سیاست اور معاشرت، علوم و فنون غرض کوئی شعبہ ایسا نہ تھا جو پوپ کی دسترس سے محفوظ رہا ہو۔ تاریخی حقائق اس بات پر شاہد عدل ہیں کہ کلیسیاء کی طرف سے پہلے مذہبی پیشوائیت کے وجود کو جواز بخشا گیا اور پھر بات الوہی رازوں سے واقفیت اور امانت تک جا پہنچی۔ کیتھولک کلیسیا میں پطرس رسول کو سیدنا مسیح علیہ السلام کا جانشین اور براہ راست نائب سمجھا جاتا ہے کیوں کہ انہوں نے کلیسیائی نظام کی بنیاد قرار دیا تھا۔ بعد ازاں اسی کلیسیائی نظام پر مذہبی پیشوائیت کی عمارت کھڑی کی گئی:

"یسوع نے اس (پطرس) پر نگاہ کر کے کہا کہ تو شمعون بن یونا ہے تو کیفا کہلائے گا"[3]؛ "اور میں تجھ پر اپنی کلیسیا بناؤں گا"[4]؛ "جس طرح باپ نے مجھے بھیجا ہے مَیں بھی اُسی طرح تمہیں بھیجتا ہوں"[5]؛ "مَیں تُم سے سچ کہتا ہُوں کہ جو کُچھ تُم زمین پر باندھو گے وہ آسمان پر بندھا رہے گا اور جو کُچھ تُم زمین پر کھولو گے وہ آسمان پر کھلا رہے گا"[6]

اور بتدریج کلیسیائی اختیارات کو وسعت دینے اور مفادات کے حصول کے لیے عہد نامہ جدید کی درج ذیل آیات کو بنیاد بنایا گیا:

---

[1] Wylie, J.A. Rev., *The Papacy its History, Dogmas, Genius and Prospects*, 19.

[2] خورشید عالم، پادری، **تواریخ کلیسیائے رومۃ الکبریٰ** (لاہور: پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی انارکلی، ۱۹۶۱ء)، ۷۔

[3] یوحنا، ۱: ۴۲۔

[4] متی، ۱۶: ۱۸۔

[5] یوحنا، ۲۰: ۲۱۔

[6] ایضاً، ۱۸: ۱۹۔۱۷۔

کلیسیائی اختیارات کی وسعت کے لیے عہد نامہ جدید کی مذکرہ بالا آیات کی توضیح و تشریح اور تفہیم یوں کی گئی کہ ان کہ بنیاد پر آسمانی بادشاہت کا اس کرہ اراضی پر قیام ممکن ہو سکے۔اس کے لیے وہ تمام اختیارات جو سیدنا مسیح علیہ السلام کے لیے تسلیم کیے جاتے ،ان مذہبی پیشواؤں کے لیے حاصل کر لیے گئےاور آنے والے وقت میں ان فرمودات کی بنیادپر پاپائیت کی عمارت قائم ہو گئی۔

اناجیل میں موجود فرمودات مسیح علیہ السلام کے بعد حواریوں کی طرف سے مختلف اقوام کو جو خطوط لکھے گئے ان میں شاگردان مسیح کواس طرح پیش کیا گیا گویا وہ خدائی بھیدوں کے امین ہیں۔عام عوام کو تو صرف وہی زیبا ہے جو مذہبی پیشوا کہیں کیوں انہیں نہ صرف یہ کہ بارگاہ خداوندی تک رسائی حاصل نہیں بلکہ وہ ان پیشواؤں کی طرف سے کیے گئے کسی بھی کام یا دیئے گئے کسی بھی حکم سے سرتابی کی جرات بھی نہیں کر سکتے تھے کیوں کہ خدائی بھیدوں کی ترجمانی محض ایک خاص طبقے کے لیے مان لی گئی ہے:

"جِن کے گُناہ تُم معاف کرو اُن کے معاف کیے گئے ہیں۔ جِن کے گُناہ تُم قائم رکھّو اُن کے قائم رکھّے گئے ہیں"[1]

پوپ کے جانشین پطرس کا نظریہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات اور پطرس کے فرمودات پر مبنی نہیں بلکہ روما کے ایک لاٹ پادری کے ذہن کی پیداوار ہے۔ تواریخ کلیسیاء میں آگناشش کو عموماپہلا مسیحی مصنف قرار دیا گیا ہے جس نے پایہ اسقفی کو اس کے حقیقی درجہ سے بہت بڑھادیا۔ کلیسیائی عہدے داروں کی اطاعت وفرماں برداری سے متعلق وہ لکھتا ہے:

"تم سب اسقف کا حکم مانو، جس طرح مسیح نے باپ کا حکم مانا اور قسیسیوں کا، جس طرح تم حواریوں کا حکم مانتے ہو۔ بغیر اسقف کے کبھی کوئی شخص کوئی مذہبی کام نہ کرے بغیر اسقف کے نہ اصطباغ جائز ہے اور نہ دعوت محبت مگر جو کچھ اسقف پسند کرے خدا کا بھی پسند ٹھہرے گا جو اسقف کی عزت کرتا ہے۔ اسے خدا بھی عزت دیتا ہے جو اسقف سے چھپا کر کام کرتا ہے وہ شیطان کی بندگی میں ہے اسقف کی فرماں برداری کرو یہی خدا کی فرماں برداری کا وسیلہ ہے"[2]

یوں پوپ کے حکم کو حکمِ خداوندی جاننے کی ترغیب دلائی جارہی ہے۔ پھر پوپ اور کارڈینل حتی کہ پادری تک کے حکم کو مثل احکامات خداوندی کی نوید سنائی جاتی رہی۔ تواریخ کلیسیا من حیث الابتدا کے مؤلف کے مطابق کوپریان نے، جو کہ ایک افریقی بت پرست تھا اور مسیحی مذہب اختیار کرنے کے بعد ۲۴۸ء میں کرتاگو کا اسقف مقرر ہوا، اپنے خطوط میں تحریر کرتا ہے کہ:

"اسقف کلیسیا میں ہے اور کلیسیا اسقف میں جو کوئی اسقف کے ساتھ نہیں ہے کلیسیا کے ساتھ بھی نہیں وہ اسقف کو خدا کا قائم مقام مانتا ہے اور جو اسقف کا مقابلہ کرتا ہے وہ اس قدر اسقف پر فتویٰ نہیں لگاتا جتنا خود خدا پر فتوی لگا رہا ہے"[3]

یہ تمام قصہ جو حضرت مسیح علیہ السلام کے قول 'میں تجھ پر اپنی کلیسیا بناؤں گا' سے شروع سے ہوتا ہوا حواریوں کے خدائی بھیدوں سے واقفیت پر نہ رک سکا اور بالاخر اسقف کے خدا کے قائم مقام قرار پانے پر تکمیل پذیر ہوا۔

---

[1] یوحنا، ۲۰:۲۳.

[2] نامعلوم، **تواریخ کلیسیا من حیث الابتداء** (مطبع ندارد، ۱۸۷۰ء)، ۱۴۵.

[3] ایضاً، ۱۷۲.

ابتدائی کلیسیائی انتظام:

ایک ایسے مذہب کے ماننے والوں کے لیے۔ جنہوں نے مملکت کے مقبول عام اور مروجہ مذہب کو چیلنج کیا تھا۔ ضروری ہو گیا تھا کہ وہ اپنے لیے ایک داخلی حکمت عملی وضع کریں اور ایسے افراد کا کافی تعداد میں تقرر کریں جو نہ صرف روحانی معاملات میں دلچسپی لیتے ہوں بلکہ مسیحی دولت مشترکہ کے دنیاوی امور کو بھی سنبھال سکیں۔ اسی مقصد کو لے کر گرجا کے دفتر کو عوامی خدمت کے ادارے میں چھپا دیا گیا۔ اس غرض کے لیے اختیارات بھی حاصل کیے گئے تاکہ بوقت ضرورت ان کا استعمال کیا جاسکے۔ نیا مذہب اس وقت اپنی بقاء کی جنگ سے نبرد آزما ہونے کے بعد تیزی سے اشاعت پذیر تھا اس مناسب ماحول میں ارباب کلیسیاء کے حاکمان نے مشورے کی زبان کو احکام کی زبان سے بدل دیا اور مستقبل کے محتسب کے بیج بو دیے۔ ہر بشپ کو وہ اختیارات تفویض ہو گئے جو بلا شرکت غیرے استعمال کیے جاتے اور بادشاہ اور حاکمان اعلیٰ سے بتکرار یہ مطالبہ کیا جاتا کہ اس عالم ناپائیدار میں حکومت کا حق ان کے لیے مخصوص ہے اور مذہب کے وسیلے سے صرف کلیسیاء ہی تمام اختیارات واقتدار کا مستحق ہے۔ یہ اختیارات نہ صرف اس دنیا سے مخصوص ہیں بلکہ دوسری دنیا کے معاملات پر بھی حاوی ہیں۔ اسی بابت ایڈورڈ گبن لکھتا ہے:

> *"The bishops were the vicegerents of Christ, the successors of the apostles, and the mystic substitutes of the high priest of the Mosaic Law. Their exclusive privilege of conferring the sacerdotal character, invaded the freedom both of clerical and of popular elections; and if, in the administration of the church, they still consulted the judgment of the presbyters, or the inclination of the people, they most carefully inculcated the merit of such a voluntary condescension"*[1]

> "بشپ حضرت عیسیٰ کے نائب ہیں اور حواریوں کے جانشین ہیں اور حضرت موسیٰ کے قانون کے مطابق درجہ اول کے مبلغ شمار ہوتے ہیں۔ چوں کہ انھیں قوانین جاری کرنے کا بھی اختیار حاصل ہے اس لیے وہ منتخب اور موروثی حاکمان سلطنت سے بھی بالاتر ہیں۔ اس طرح انھیں کلیسیا اور دنیاوی حکومتوں دونوں سے آزادی حاصل تھی اور انہیں اپنے احکام یا قانون سازی کے لیے عوام کی منظوری کی بھی حاجت نہ تھی"

پاپائیت کی تاریخ کا غیر متعصبانہ، غیر جانبدارانہ اور ناقدانہ جائزہ لینے سے یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ مسیحی پیشوائیت کے اس ادارے نے یورپ کی انفرادی، اجتماعی، سیاسی، عمرانی، معاشی اور مذہبی زندگی پر عمیق اثرات ثبت کیے۔ Wylie کے نزدیک پاپائیت نے انسانی فطرت جبلت کے تاریک عناصر کو مجتمع کرکے اپنی داغ بیل ڈالی:

> *"The first rise of the Papacy is undoubtedly to be sought for in the corruption of human nature"*[2]

---

[1] Gibbon, E., *The Decline and Fall of the Roman Empire* (London: Frederick Warne and Co., 1966), 1:362.

[2] Wylie, *The Papacy, Its History, Dogmas, Genius and Prospects*, (London: Johnston and Hunter, 1851), 2.

"مذہبی پیشوائیت کے جبر واستبداد کا بیج انسانی فطرت میں پنہاں شہر کی سرزمینوں میں نمو پذیر ہوا"

کلیسیا کے ناقدین نے ان عناصر کو انسانی فطرت میں موجود لالچ، اناپرستی، ہوس اقتدار، حب جاہ اور دوسروں پر اپنا آپ مسلط کرنا اور مذہبی نظریات کو دوسروں پر ٹھونسنا شمار کیا ہے۔ پاپائیت نے اپنے مذہبی پیشوا کو چشم زدن میں لوگوں کے ایک عاجز مربی اور خدمت گار سے ایک جابر اور سخت گیر آقا میں تبدیل کر دیا۔ کلیسیا کے اقتدار کے لئے تمام یورپ سرنگوں تھا اور تمام یورپ کی دولت کلیسیا کے تصرف میں تھی۔ مذہبی پیشوا کی چشم ابرو سے سلطنتوں کے فیصلے ہو جاتے تھے اور اس کے ایک اشارہ پر سلطانی جبین سجدہ ریز ہو جاتی تھیں۔ اگر تمثیل کا کنایہ اختیار کیا جائے تو یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ یہودا اسکریوطی نے جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سفاک قاتلوں کے حوالے کر دیا اسی طرح ارباب کلیسیا نے اپنی نیکی کو لالچ پر قربان کر دیا اس فانی دنیا کی راحتیں اور مسرتیں سمیٹ لیں۔[1]

مسیحیت میں دینی رویوں پر مذہبی پیشوائیت کے اثرات:

کتاب مقدس میں انسانی عنصر کی آمیزش کو تسلیم کرنا:

مذہبی پیشواؤں نے کتاب مقدس میں انسانی عنصر کو بھی شامل کر لیا۔ بائبل کے رائج نسخوں سے حک وحذف کے بعد منتخب مقدس متون کی الہامی حیثیت کا تعین (Canonization) صرف پاپائیت کی چھتری تلے ہی ممکن ہو سکا تھا۔ جس کا نتیجہ ہے کہ اس میں انسانی خیالات کی آمیزش بھی شامل ہو گئی اور لوگوں میں اسے مقبولیت عامہ کا درجہ بھی حاصل ہو گیا۔ پیٹرسن سائتھ کا کہنا ہے کہ:

> "یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بائبل میں انسانی عنصر کی موجودگی پر خاص طور پر زور دیا جائے ۔۔۔ گذشتہ صدی کے مطالعہ بائبل سے یہ امر بھی زیادہ سے زیادہ واضح ہوتا جارہا ہے کہ یہ انسانی عنصر بائبل میں لوگوں کے خیال کی نسبت کہیں زیادہ پایا جاتا ہے اور اس کے مصنفوں کو اپنے قواء کے استعمال میں بہت زیادہ آزادی رہی ہے"[2]

یہ صرف پاپائیت کی طرف سے لوگوں کی ذہن سازی کا ہی نتیجہ تھا کہ انہوں نے بڑی آسانی سے اسے قبول کر لیا۔ اسی بات کو ڈاکٹر اسلم ضیائی اس طرح بیان کرتے ہیں کہ دیگر کتب انسانی ہیں یا الٰہی۔ مگر بائبل بیک وقت الٰہی اور انسانی ہے۔ یہ خدا کی کتاب ہے کیونکہ اس کا انکشاف، مکاشفہ، آغاز اور بنیاد خدا کی طرف سے ہے اور یہ انسانی بھی ہے کیونکہ اس الٰہی مکاشفہ کو روح القدس کی تحریک اور الہام سے انسانی لکھاریوں نے اپنے اپنے اسلوب اور انداز میں لکھا۔[3] مذہبی پیشواؤں نے اپنی پسند کے مطالب و مفاہیم کتاب مقدس سے برآمد کرنے کے لیے یہودی روایت برقرار رکھی۔

رومی اور یونانی تہذیب کے اثرات:

بائبل کی من چاہی تشریح کے بعد انسانی فطرت کی ضرورت کو بہم تسکین پہنچانے کے لئے بعد کے سالوں میں مسیحیت نے اصنام پرستی

---

[1] تفصیلات اناجیل اربعہ کے ان ابواب میں ملاحظہ ہوں۔ متی، ۲۶؛ مرقس، ۱۴؛ لوقا، ۲۲؛ یوحنا، ۱۸۔

[2] پیٹرسن سائتھ، ڈاکٹر، **بائبل کا الہام** (لاہور: پنجاب ریلیجیس بک سوسائٹی، ۱۹۰۵ء)، ۱۲۹۔

[3] اسلم ضیائی، ڈاکٹر، **تفہیم عہد عتیق** (لاہور: مسیحی اشاعت خانہ، ۲۰۰۷ء)، ۲۹

کو ایک اور قالب میں ڈھالتے ہوئے اپنے گرجا گھروں میں یسوع مسیح علیہ السلام کے بلند قامت مجسموں اور تصویروں کی تنصیب و نمائش کا بھی آغاز کر دیا۔ان تصاویر میں حضرت مریم علیہاالسلام کے پاس فرشتہ جبریل کا پیغام لے کر آنا، حضرت مسیح علیہ السلام کو پیدائش کے بعد چرنی میں لیٹا دکھانا، مسیح علیہ السلام کے مصلوب ہونے کا عمل اور اس طرح کے دیگر مناظر شامل ہیں۔

اس ضمن میں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ ناموریورپی مصوروں جیسے کہ مائیکل اینجلو(م1564ء) اور رافیل(1520ء کی بڑی بڑی اور دیو قامت تصویریں ملتی ہیں جن میں عشائے ربانی اور حضرت مسیح کے مصلوب ہونے کے مناظر کو پیش کیا جاتا ہے۔دنیا بھر کے گرجا گھروں میں ان تصاویر کو آویزاں کیا جاتا ہے۔ مصور کی صناعی کے ثبوت کے ساتھ ساتھ اصل میں یہ اصنام پرستی اور تجسیم کے اس نظریہ کی پیش کش ہے جو مسیحیت نے یونانی اور رومی تہذیب کے زیر اثر قبول کیا۔ سلطنتوں اور مذہبی نظاموں کا زوال اور نتیجتاً نئی سلطنتوں کا آغاز، معاشرہ کی شکست و ریخت اور تشکیل نو، اطوار، روایات ، قوانین اور عدالتوں کی پالیسی کی تبدیلی، بادشاہوں کا جنگ وجدل اور ادب فلسفہ اور فنون کا زوال اور نشاۃ ثانیہ۔یہ سب عناصر مذہبی پیشوائیت کی تاریخ سے منسلک ہیں۔وہ مذہبی پیشوائیت جس کی نمو مذہبی پیشواؤں نے کی اور جس کی قسمت سنوارنے میں کلیسیاء نے ہاتھ بٹایا۔

راہبانہ طرز حیات سے شاہانہ طرز زندگی:

کلیسیاء کے عروج کا جائزہ لینے سے قبل یہ امر ذہن نشین رکھنا ضروری ہے کہ رومی سلطنت جب مختلف حملوں کی زد میں تھی اور داخلی انتشار کا شکار ہو رہی تھی تب عاجزانہ انداز کا مذہب مسیحیت اپنی منکسر المزاجی سے عوام کے ذہنوں میں گھر کر رہا تھا۔ابتدائی مشکلات اور رومیوں کے ظلم وستم کے باعث اگرچہ قدیم مسیحی دنیاوی کاروبار زندگی اور لطف اندوزی سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہوئے اسے شجر ممنوعہ سمجھنے لگے تھے لیکن بعد ازاں دنیاداری کی محبت جلد ہی ان میں بیدار ہو گئی اور انھوں نے اپنے لیے ایک نیا راستہ تلاش کر لیا جسے کلیسیائی حکومت کا نام دیا گیا۔ تھامس آرنلڈ لکھتا ہے:

> *"Pope Innocent III declared that the Lord had entrusted to Peter not only the Universal Church but the government of the whole world, he enunciated that doctrine of a world religion which Christianity has held from its very inception"*[1]

> "پوپ انوسینٹ سوم نے یہ اعلان کیا تھا کہ خداوند نے بزرگ پطرس کو نہ صرف دنیا بھر کی کلیسیاؤں کا رکھوالا بنایا بلکہ بزرگ پطرس کو دنیا بھر کی حکومت کا فرماں روا بھی بنایا تھا۔انہوں نے عالمگیر مذہب (مسیحیت) کا نظریہ متعارف کروایا جسے مسیحیت نے اپنے زمانہ آغاز سے ہی اپنا رکھا ہے"

[1]Thomas Arnold, *The Caliphate*, 9.

مسیحیت میں اخلاقی رویوں پر مذہبی پیشوائیت کے اثرات:

شخصی زندگی پر اثرات:

کلیسیائی تعلیمات ، قوانین،اصول وضوابط اورافعال کی روشنی میں پیشوائیت کے انفرادی زندگی پراثرات کاجائزہ لیتے ہوئے واضح طورپر نظرآتاہے کہ مذہبی پیشواؤں نے فرد کی انفرادی زندگی پر نہایت گہرے اثرات مرتب کئے۔کلیسیاء کی تعلیمات اور مذہبی قوانین میں اگر پادری کو غلطی اورخطاسے مبراہونے کی تعلیم کاجائزہ لیاجائے توپتہ چلتاہے کہ ایک عام مسیحی کے لئے یہ بالکل جائز نہ تھاکہ وہ پادری کے احکامات کو عقل کی کسوٹی پرپرکھنے کی 'سنگین غلطی' کاارتکاب کرے یااپنے حواس وادراک کی مدد سے ان احکامات کی تفہیم وتوضیح کرنے کی کوشش کرے بلکہ اسے پادری کے جاری کردہ احکامات کو بلاچوں چراتسلیم کرناہی اسے کلیسیائی نظم میں باقی رکھ سکتا تھا۔رومن کیتھولک اپنے ماننے والے کو تقلید محض پرآمادہ کرتے اور عقائد ونظریات کوپرکھنے اورمذہب سے متعلق کوئی بھی سوال اٹھانے سے روکنے کی ہر ممکن سعی کرتے نظرآتے ہیں۔

دوسری جانب پروٹسٹنٹ فرقے کی تاریخ پر نظرڈالی جائے تواحساس ہوتاہے کہ یہ مذہبی فریق عقل،اجتہاداور سوال اٹھانے کے عمل کو مستحسن قرار دیتاہے۔وہ اپنے معتقدین کوراغب کرتاہے کہ وہ مذہب کے بنیادی نکات کواور مسیحیت کے عقائد ونظریات کو تجزیہ دلیل اورپرکھ کی منزل سے گزاریں۔اپنے اعمال وافعال میں اندھادھند تقلید کی بجائے استدلال، بحث اوراپنے اعمال کے نتائج وعواقب سے آگاہی کواپناشعار بنائیں۔اس کے ساتھ ساتھ کلیسیائی روایات جن ہستیوں کوخطاء سے مبراقرار دے کرخدا کے نائب کے مسند پر سرفراز کرتی ہیں، تاریخ ان مقدس ہستیوں کی طرف منسوب ایسے بھیانک گناہوں اور جرائم کا بھی تذکرہ کرتی ہے کہ جس سے انسانیت کاسر شرم سے جھک جائے۔ ان مقدس ہستیوں کے بقول ساراعالم ان کے دائرہ اختیار میں تھااوروہ گناہ سے آلودہ جسم سے لے کرسوچ اور ضمیر کی کھڑکی تک انسانیت کے دروں خانوں میں جھانک سکتے تھے۔[1] مذکورہ بالا تمام امور کافرد کی شخصی زندگی پر مذہب کے ساتھ ساتھ سماجی اور معاشرتی زندگی پر بہت گہرے اثرات مرتب ہوئے۔

پاپائیت اخروی نجات کی واحد کلید:

پاپائیت کافرد کی انفرادی زندگی پر دوسرااہم اثراخروی نجات کے اس عقیدہ کوفروغ دیناہے کہ مقدس مذہبی رسومات 'Sacraments' فرد کی انفرادی زندگی میں مذہبی تقدس اورآسمانی باپ کی برکت لانے کاذریعہ ہیں۔ان شعائر مقدسہ کی وجہ سے ایک مسیحی کی نظر میں رومن کلیسیاکاپادری ہی دائمی نجات اورکاوسیلہ بنتاہے۔اس کلیسیائی تعلیم کی واضح مثال 'Brunswick' کے نواب[2] 'Duke' کامعاملہ ہے۔اس نواب کے بیان میں مبالغہ آرائی یا تخیل کی قلبی کیفیات کاعنصر غالب نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک سیدھاسادہ بیان ہے جواس شخص

[1]Foot, G.W. & J. M. Wheeler, *Crimes of Christianity* (New York: Harper Collins, 1887), 220.

[2]شہزادے کے بعد سب سے بڑاعہدیدار رئیس/امرائے انگلستان کااعلیٰ ترین خطاب

کی قلبی کیفیات کا آئنیہ دار ہے۔ اپنے بیان میں مذکورہ نواب کا کہنا ہے کہ میں نے جن کیتھولک پادریوں سے اپنا مذہب تبدیل کرنے کی خواہش کا اظہار کیا اور انہیں بتایا کہ میں رومن کیتھولک مذہب کو اختیار کرنا چاہتا ہوں تو انہوں نے بھرپور یقین دلایا کہ اگر رومن کیتھولک مذہب اختیار کرنے کے بعد میری روح گناہوں سے رتی بھر بھی آلودہ ہوئی تو روز محشر میری طرف سے وہ جواب دہ ہوں گے اور میرے حصے کی لعنت وملامت ان کے سر ہوگی۔ حیات اخروی میں فوز وفلاح کا یقین اور بخشش پر مہر تصدیق سوائے کیتھولک فرقہ کے اور کوئی مسیحی فرقہ ثبت کرکے نہیں دے سکتا تھا۔[1] رومن کلیسیا اپنے معتقدین میں یہ عقیدہ راسخ کرتا ہے کہ مذہب کا عملی زندگی کے اخلاقی اعمال سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اس لئے ایک مسیحی کو اپنے اندر اخلاقی یا روحانی فضائل کی نشوونما کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے اور دنیاوی لذتوں اور آسائشوں سے ہمکنار ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے فقط کلیسیا پر کامل یقین ہی ان کی نجات اخروی کے لیے کافی ہے۔

عناصر فطرت کا پادری کے تابع ہونے کا تصور:

قرون مظلمہ میں یورپ کے سادہ لوح طبقات میں مذہبی تصورات کی بے آہنگی اور سحر ومذہب کا امتزاج طرح طرح کے روپ دھارتا رہا ہے فرانس میں کسانوں کی اکثریت کا یہ اعتقاد رہا ہے کہ پادری کے باطنی کمال کے سبب عناصر فطرت اس کے تابع ہیں۔ چند وظیفے ایسے ہیں جنہیں صرف وہی جانتا ہے اور جن کے پڑھنے کا صرف اسی کو حق حاصل ہے، اگرچہ اس کے لیے اسے بعد میں نجات طلب کرنی ضروری ہو جاتی ہے۔ ان وظیفوں کے ذریعے اس کے لیے ممکن ہے کہ سخت خطرے کی صورت میں فطرت کے ابدی قوانین کا عمل روک یا الٹ دے۔ باد و باراں، طوفان اور اولے اس کے اطاعت گزار ہیں اور آگ بھی اس کے تابع ہے، جس کے بھڑکتے ہوئے شعلے اس کی ایک جنبش لب پر سرد پڑ جاتے ہیں۔ فریزر کے نزدیک فرانس کے کسان اس کے قائل تھے کہ پادری چند خاص رسوم کے ساتھ عشائے ربانی کی ایک خاص عبادت کے اثرات سے مشیت کو زیر کر سکتا ہے۔ اس میں جو بھی دعا مانگی جاتی ہے خدا اس کے قبول کرنے پر مجبور ہوتا ہے، خواہ وہ کیسی ہی گستاخانہ کیوں نہ ہو۔ اس رسم میں ان لوگوں کو بدعقیدگی کا کوئی پہلو نظر نہیں آتا جو بعض شدید قسم کے مصائب سے عاجز آ کر اس حربے سے حکومت الٰہی سے بغاوت پر اتر آتے ہیں۔[2] کیتھولک کسانوں کے عقیدے کے بموجب پادری کا اس طرح خدا پر زور چلانا اس استدراج[3] سے قریبی مشابہت رکھتا ہے جو مصر میں قدیم زمانے کے لوگ اپنے ساحروں سے منسوب کرتے تھے۔ اس عقیدے کی دوسری مثال پرووانس (فرانس) والوں کے ہاں ملتی ہے۔ یہاں بہت سے گاؤں میں پادری کے متعلق یہ خیال عام تھا کہ وہ اپنے استدراج سے طوفان روک سکتا ہے۔ لیکن یہ شہرت ہر پادری کو نصیب نہیں تھی اور بعض گاؤں

---

[1] Wylie, *The Papacy its History, Dogmas, Genius and Prospects*, 424.

[2] Frazer, *The Golden Bough*, 53.

[3] کسی کافر کے ہاتھ پر اس کے دعویٰ کے موافق خلاف عادت کام صادر ہو جیسے دجال کے ہاتھ پر بہت کچھ ظاہر ہوگا بادلوں کو حکم دے گا وہ اکٹھے ہو کر بارش برسانا شروع کر دیں گے زمین پر پاؤں مارے گا وہ سونا چاندی اگل دے گی۔

میں کسی کلیسیائی حلقے کے پادری کا تبادلہ ہوتا تو اس میں رہنے والے یہ معلوم کرنے کے لیے بے تاب رہتے کہ نئے پادری کو یہ استدراج حاصل ہے یا نہیں۔ چنانچہ جب کبھی کسی طوفان کے آثار نظر آتے ہیں تو وہ آزمائش کے طور پر اسے بلاتے کہ دم کر کے بادلوں کا خطرہ دور کردے۔ اگر اس کا نتیجہ ان کی امیدوں کے مطابق نکلتا تو نئے پادری کو اپنی رعیت کی ہمدردی اور احترام کا یقین ہو جاتا ہے۔ چند کلیسائی حلقوں میں، جہاں پادری کا نائب اس خصوصیت میں پادری[1] پر فوقیت رکھتا ہو، ان دونوں میں اس قدر کشیدگی پیدا ہو جاتی کہ بشپ[2] پادری کے نائب[3] کو کسی اور حلقے میں منتقل کرنے پر مجبور ہو جاتا۔

دعائے سینٹ سیکیر کی مکروہ رسم:

کیتھولک عقائد کے حامل کسانوں کا خیال تھا کہ شریر آدمی بعض وقت اپنے دشمنوں سے انتقام لینے کے لیے کسی پادری کو ساتھ ملا کر اس سے ایک خاص دعائے عشائے ربانی پڑھواتے ہیں جو دعائے سینٹ سیکیر The Mass of St. Sécaire کہلاتی ہے۔ اس عشاء سے بہت کم پادری واقف ہوتے اور ان میں بھی بیشتر ایسے بھی ہوتے کہ اس کی ہیبت کی بنا پر کوئی چیز انہیں اس کے بڑھنے پر آمادہ نہ کر سکتی۔ اس مکروہ اور ہول ناک رسم کو ادا کرنے کی جرات صرف فاسق پادریوں ہی کو ہوتی۔ کلیسیا کے ادنی سے لے کر اعلیٰ عہدہ دار یہاں تک کہ خود اسقف اعظم بھی ان کا یہ گناہ معاف نہیں کر سکتا تھا۔ اس کا اختیار اگر کسی کو ہوتا تو وہ بس ایک پوپ کی ذات تھی۔ فریزر کا کہنا ہے کہ دعائے سینٹ سیکیر کی یہ رسم صرف کسی ایسے شکستہ یا ویران گرجے کے اندر ادا کی جا سکتی ہے جس میں الو بولتے ہوں، جھٹ پٹے میں چمگادڑیں منڈلاتی ہوں اور رات کو خانہ بدوش بسیرا کرتے ہوں اور جس کی قربان گاہ تلے مینڈک دبکے بیٹھے ہوں۔ یہاں رات کی تاریکی میں وہ فاجر پادری اپنی داشتہ کو لے کر پہنچتا ہے اس کا عمل گیارہ بجے شروع ہوتا ہے اور ٹھیک بارہ پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس کارروائی میں اس کی داشتہ نائب پادری کے فرائض انجام دیتی ہے۔ عشاء کے طور پر سیاہ رنگ کی تکونی روٹی استعمال کی جاتی ہے اور اس میں شراب شامل نہیں ہوتی۔ اس کی بجائے وہ ایسے کنویں کا پانی پیتا ہے جس میں کسی بے اصطباغ بچے کی لاش پھینکی گئی ہو۔ وہ اپنے پاؤں سے زمین پر صلیب بناتا ہے اور بہت سی ایسی حرکتیں کرتا ہے جن سے کسی صحیح العقیدہ مسیحی کے ہوش جاتے رہیں۔[4] جس شخص جس کے لیے یہ رسم ادا کی جاتی ہے آہستہ آہستہ گھلنے لگتا ہے اور کوئی نہیں بتا سکتا کہ اسے کیا روگ لگ گیا ہے۔ خود ڈاکٹر بھی دنگ رہ جاتے ہیں وہ کیا جانیں کہ ان کا مریض دعائے سینٹ سیکیر کے اثر سے آہستہ آہستہ ختم ہو رہا ہے۔ مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ مذہبی پیشوائیت کو جبر اور زیادتی کے ساتھ مستحکم کرنے کے اثرات رفتہ رفتہ پردہ ظہور پر آنے لگے۔ پیشوائیت کے ان اثرات و قباحتوں میں مذہبی منافرت

---

[1] کلیسیا کا پادری جو ایک کلیسائی حلقے کا ذمہ دار ہو جو عبادات میں قیادت کے فرائض سرانجام دے کسی مذہبی ادارے جیسے کسی خانقاہ یا مذہبی تعلیمی ادارے کا منتظم ہو اور عشر کی وصولی اور دیگر حقوق رکھتا ہو۔

[2] کلیسائی عہدے دار جسے ایک علاقے پر روحانی حکومت حاصل ہو۔ جو پادریوں پر نگرانی، بپتسمہ اور پختہ عیسائی بنانے کے اختیارات رکھتا ہو۔

[3] پادری کا نائب جو عبادات کروانے میں پادری کا معاون ہو۔

[4] Frazer, *The Golden Bough*, 54.

کا جڑ پکڑنا اور اس کے نتیجے میں مختلف گرجا گھروں کے درمیان باہمی ٹکراؤ اور چپقلش کا جنم تھا۔ کلیسیائی تاریخ شاہد ہے کہ پادریوں کا آپس میں حسد اور کینہ، درباری سازشوں میں حصہ بننے کا عمل تاکہ دربار شاہی میں پیشوائیت کی بالادستی ہر حال میں قائم رہے۔ مذہبی پیشوائیت کے کھاتے میں سائنس، منطق اور علم کی شدید مخالفت، جہالت و توہم پرستی کی تاریک فضا کا قیام اور مذہب کے نام پر ہولناک جنگیں شامل ہیں۔ یہ ادارہ اتنا مضبوط بن چکا تھا کہ مسلم فتوحات کے نتیجے میں جب یورپ کے سارے ادارے نشاۃ ثانیہ کے زیر اثر از سر نو تشکیل سے گزر رہے تھے تب ان نازک حالات میں بھی رومن کلیسیا کی خود مختاری اور شان پر کوئی حرف نہیں آیا۔

معافی نامے:

پہلی صلیبی مہم میں پوپ کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ جو مسیحی خود جنگ میں شامل نہیں ہو سکتا تو اپنی جگہ کسی دوسرے کو بھیج دے اور اسے معافی نامی دے دیا جائے گا۔ اس معافی نامے سے نجات یقینی ہے۔ پادری خورشید عالم کے الفاظ میں :

> ”مغفرت ناموں کی تجارت عام تھی جس کے باعث انسان بشپ کو گناہ کا بدل روپیہ دے کر سزا سے بری قرار دیا جاتا تھا۔ پوپ اربن دوم نے پہلی صلیبی مہم کے لیے مغفرت نامے تقسیم کر کے عبادت و ریاضت کی مطلوبہ حد کو اڑا دیا گیا تب عوام نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، دھڑا دھڑ مغفرت نامے خریدنے شروع کر دیئے تاکہ ان کے عزیزوں کی روحیں جو اعراف میں محبوس ہیں، رہائیں پائیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ پورا خزانہ معمور ہو گیا۔ بشپوں کو روپیہ کمانے کا حربہ آ گیا اور کلیسیاء بد اخلاقی بن گئی“[1]

کلیسیائی سرپرستی میں معافی ناموں کی فروخت کے سماج پر گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ اس عقیدے نے گناہ اور شریعت کی نافرمانی پر دلیری کو بڑھاوا دیا۔ اور معاشرہ اخلاقہ زبوں حالی کا شکار ہوتا چلا گیا؛

> *“Sinners say nowadays: I care not what or how many evils I do before God, for I can get an once , without the last difficulty, plenary remission of any guilt or sin whatever through an indulgence granted me by the Pope, whose written grant I have bought for four pence , or for the stake of a game of a ball; for indeed these sellers of indulgences run about from place to place, and sometimes sell one or two pence , or a drink of wine or beer, or enough to pay their losses at gaming”*[2]

> ”آج کل مجرم یہ کہتے سنائی دیتے ہیں کہ مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ میں خدا کے حضور کتنے گناہ کرتا ہوں، کیوں کہ میں ہر وقت اور ہر جگہ ہر گناہ اور ہر جرم کے لیے معافی نامہ خرید سکتا ہوں، کبھی چار پنس میں تو کبھی جوئے کے ایک داؤ کی قیمت میں، اس لیے کہ ان معافی ناموں کے بیچنے والے ہر جگہ دکھائی دیتے ہیں۔ اور وہ انھیں کبھی دو پینس میں کبھی ایک

---

[1] خورشید عالم، پادری، **تواریخ کلیسیائے رومۃ الکبریٰ**، ۱۴۱.

[2] Mencken, H.L., *Treatise on Right and Wrong* (London: Kegan Paul, Trench, Trübner & Co1934), 187.

جام شراب کے بدلہ یا جوئے میں ہاری ہوئی رقم کے عوض"

اس کے اثرات میں یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ مارٹن لوتھر کے طرف سے کلیسیاء کے خلاف بغاوت کا محرک ایک یہ معافی نامے تھا۔ بعد ازاں صورت حال یہ ہو گئی کہ گناہوں کے معافی نامے ایجنسیوں پر فروخت ہونے لگے۔ جس شخص کا جی چاہتا زنا، قتل، چوری، ڈاکہ، عصمت دری اور کتنے ہی صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کرے اپنے لیے معافی نامہ خرید لیتا۔ نہ صرف اپنے لیے بلکہ اپنے وفات شدہ عزیزوں کے لیے بھی معافی نامے خریدے جا سکتے تھے، جس کے بعد نجات یقینی سمجھی جاتی۔ اس صورت حال سے مسیحی دنیا میں اخلاقی انحطاط پیدا ہو گیا جس کی سرپرستی مسیحی مذہبی علما کر رہے تھے۔[1]

محکمہ احتساب عقائد:

کلیسیائی پیشوائیت کے جبر کے رد عمل میں عوام ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور لوگ مذہبی جکڑبندیوں اور چیرہ دستیوں کی وجہ سے الحاد و تشکیک اور لادینیت کا شکار ہونے لگے اور پوپ کی حاکمیت کا علی الاعلان انکار کرنے لگے۔ بے دینی کے اس سیلاب کی روک تھام کے لئے نومبر 1478ء میں پاپائے روم کا فرمان جاری ہوا کہ کفر و زندقہ کی سراغ برآری اور استیصال کی غرض سے انکوئیزیشن کا محکمہ مقدس عدالت قائم کی جائے اس عدالت کی پہلے سال کی کاروائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ دو ہزار اشخاص زندہ جلا دیئے گئے۔[2] مشہور مؤرخ ایڈورڈ گبن کے مطابق؛

> *"The Church of Rome defended by violence the empire which she had acquired by fraud"*[3]

"رومی کلیسیا نے دھوکہ سے حاصل شدہ اپنی سلطنت کی حفاظت تشدد سے کی"

گبن دراصل کلیسیا کے قائم کردہ ادارہ احتساب عقائد (Inquisition) کی طرف اشارہ ہی کر رہا ہے جو کیتھولک کلیسیا ہی نہیں بلکہ تاریخ انسانی کا ایک انتہائی تاریک باب کہا جا سکتا ہے۔ اسے کلیسیاء کے چہرے پر سیاہ دھبہ قرار دیا گیا ہے۔[4]

مغربی تاریخ کا طالب علم اس وقت حیران رہ جاتا ہے جب وہ جبر و تشدد کی علامت 'محکمہ احتساب عقائد' کو مسیحی پیشوائیت کی بیساکھی کے طور پر پاتا ہے۔ اور وہ دیکھتا ہے کہ امن اور محبت کے داعی مسیحیت میں مذہب کے نام پر قائم ہونے والی عدالتوں نے ظلم کی انتہاء کر دی۔ جن کا ہر لفظ موت کا جملہ ہوتا تھا۔[5] لارڈ ایکٹن، جو مشہور مؤرخ اور خود رومی کلیساء کے ممتاز اہل قلم میں سے تھا، لکھتا ہے؛

---

[1] https://ur.wikipedia.org/wiki/مسیحیت-پروٹسٹنٹ, (accessed on 10 May, 2020)

[2] Draper, *History of the Conflict between Science and Religion*, 145.

[3] ساجد میر، **عیسائیت۔ تجزیہ و مطالعہ** (لاہور: دارالسلام، ۲۰۰۱ء)، ۴۱۵.

[4] برکت اللہ، پادری، **سلطنت مغلیہ اور مسیحیت** (لاہور: مسیحی اشاعت خانہ، ۱۹۷۰ء)، ۷۷.

[5] Sabshena, *R. N, Into the Main Stream*, (Craford: Aplin Publications, 2003), 24.

"محکمہ احتساب عقائد کا اصول یہ ہے کہ پوپ کو زندگی اور موت پر اختیار ہے۔ جو شخص اس کے احکام کی خلاف ورزی کرے اس کو ایذ یتیں دی جائیں اور آگ میں زندہ جلا دیا جائے۔ اگر اس مقصد کو سرانجام دینے کے لیے کوئی باقاعدہ کاروائی نہ ہو سکے تو سب قانونی کاروائیوں کو پس پشت پھینک کر ملزم کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ بالفاظ دیگر اس محکمہ کا اصول یہ ہے کہ ایسے شخص کو جہاں کہیں پاؤ، جان سے مار ڈالو"[1]

بدقسمت مجرم سے اعتراف گناہ اور قبول جرم کے لیے بہت سے طریقے اپنائے جاتے جن میں معروف طریقوں میں سے چند ایک یہ ہیں۔ ملزم کو باندھ دیا جاتا اور اس کے پاؤں گندھک سے آہستہ آہستہ جلانا، پانی میں مسلسل غوطے دینا، ناخن اکھیڑے جاتے یا ٹانگوں کو کچل دینا، ملزم کو بازو پھیلا کر کھڑا کر کے ان کی بغلوں کے نیچے شمع دان رکھ دیئے جاتے اور اکثر کھولتا ہوا تیل انڈیلنا، مجرم کے جسم پر گندھک کے چھینٹے مارنا، ونگا کر کے ان کے جسموں پر شہد مل کر انہیں باندھ دینا یا لٹکا دینا، تاکہ کیڑے مکوڑے ان کے سارے جسم سے چمٹ جائیں اور انہیں کاٹ کاٹ کر موت سے ہم کنار کر دیں، چمنی میں لٹکا کر نیچے آگ جلا دینا تاکہ دھویں سے گھٹ کر مر جائے، یا آہستہ آہستہ آگ میں زندہ جلانا تاکہ اذیت میں اضافہ ہو اور نصب بڑی بڑی چکر دار چرخیوں پر ملزم کو باندھ کر انہیں گھمایا جاتا جس سے ملزم کی ہڈیوں کے جوڑ کھل جائیں۔ 'اعتراف گناہ' کے بعد بدنصیب مجرموں کو FeAutonDa نامی مذہبی رسومات کے دوران کھمبوں سے باندھ کر اکثر گندھک سے لتھڑا لباس پہنا کر زندہ جلا دیا جاتا اور جو اقرار بدعت کر لیتا اسے جلانے کی بجائے کھمبے پر پھانسی کی رعایتی موت کی سزا دی جاتی۔[2] سفاکی، شقاوت اور ظلم و تشدد کی مذکور بالا مثالوں کے پیش نظر محققین یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ:

"Christianity has the distinction among the historic religions of having inflicted torture and death upon those who rejected it, in incomparably greater volume than any other."[3]

"عیسائیت کو تاریخی مذاہب میں یہ 'امتیاز' حاصل ہے کہ اس سے اپنے مسترد کرنے والوں کو اتنے زیادہ تشدد اور موت کا نشانہ بنایا ہے کہ کوئی اور (مذہب) اس کا کسی طرح مقابلہ نہیں کر سکتا"

محکمہ احتساب عقائد اور ان کے سزا دہی کے اختیارات میں چوتھی لیٹرن کونسل نے مزید اضافہ کر دیا۔ Draper کے الفاظ میں:

"چوتھی لیٹرن کونسل منعقدہ ۱۲۱۵ء نے انکوئزیشن کے اختیارات میں ایک خوفناک اضافہ کر دیا یعنی یہ بات ہر فرد کے عقائد میں باضابطہ داخل کر دی گئی کہ وہ اپنے حلقہ کے پادری کے سامنے اپنے تمام افعال و اعمال کا اعتراف کیا کرے۔ کوئی شخص اپنے آپ کو مأمون و مصوّن تصور نہ کر سکتا تھا حلقہ کے پادری کو یہ اختیار حاصل تھا کہ اس کی بیوی یا ملازموں کے

---

[1] برکت اللہ، **سلطنت مغلیہ اور مسیحیت**، ۷۸۔

[2] Dellon, M., *An Account of the Inquisition at Goa in India* (Pittsburgh: R. Patterson & Lambdin, 1819)

[3] ساجد میر، **مسیحیت۔ تجزیہ و مطالعہ**، ۴۲۲۔

خفیہ سے خفیہ اور پوشیدہ سے پوشیدہ دلی راز بطریقہ جرح یا بر سبیل جبر دریافت کرے اس لحاظ سے بیوی اپنے خاوند اور غلام اپنے آقا کے جاسوس بنادیئے گے"[1]

آہستہ آہستہ محکمہ احتساب کے اختیارات اتنے زیادہ بڑھ گئے کہ محکمہ احتساب ایک بالکل خود مختار ادارے کے طور پر سامنے آیا جو سوائے پاپائے روم کے اور کسی کو جواب دہ تھا نہ اس کے فیصلے کے خلاف کوئی اپیل کی جاسکتی تھی۔ مسیحیت نے اپنے دور ابتلاء میں بہت ظلم و ستم جھیلے مگر جو بربریت اور بہیمیت کی داستانیں محکمہ احتساب نے رقم کیں وہ رومن حکومت کے ظلم وجور کے مقابلے میں شمہ برابر بھی حیثیت نہ رکھتی تھیں۔ Lecky کی رائے میں اسپین کے محکمہ احتساب کے حکم سے 'تار کی میڈا' کی زیر صدارت دو ہزار نفوس زندہ جلائے گئے اور سترہ ہزاروں ایسے تھے جنہوں نے مختلف شدائد کے بعد توبہ کرلی اور چارلس پنجم کے عہد میں تو شہدا کا شمار پچاس ہزار تک جا پہنچا تھا غرض جہاں تک مقتولین کی تعداد کا تعلق ہے مشرکانہ ظلم و ستم مسیحی بہیمیت کے مقابلہ میں بہت ہلکا تھا۔[2]

اندلس جو مسلم ترقیوں اور بلندیوں کا امین ہے اس خطہ میں اس خونی محکمہ کی کارستانیوں اور ظلم و بربریت کی داستانیں اس قدر عام ہو چکی تھیں کہ جشن اور تہواروں کے موقع پر ہزاروں افراد کو آگ میں جھونک دینا ایک رسم کا روپ دھار چکا تھا۔ جانسن کا کہنا ہے۔ فرڈی ننڈ صدر اسقف سیوویلی شد و مد کے ساتھ کام کرنے کی طرف متوجہ ہوا خود سیوویلی میں پہلے ہی دن آٹھ سو آدمیوں کو گرفتار کیا گیا اور 21 مئی 1559ء کو ولاڈولیڈ کی گلیوں میں سب سے پہلے سزائے موت دی گئی یہی رسم اسپین میں فلپ کی آمد پر ادا کی گئی اور 1560ء میں فرانس کی الزبتھ کے ساتھ اس کی تیسری شادی پر بھی سزائے موت کا کھیل رچایا گیا اور حقیقت یہ ہے کہ کچھ سال کوئی رسم اس وقت تک مکمل نہیں تصور کی جاتی تھی جب تک کہ مذہبی عدالت سے کسی کو سزائے موت نہ دی جائے اور اسپینی بیلوں کی لڑائی پر اس کو ترجیح دی جاتی تھی۔[3] دل دہلا دینے اور رونگٹے کھڑے کر دینے والے یہ واقعات تو فقط اندلس کے ہیں۔ ڈاکٹر ڈریپر کے مطابق اغراض مذہبی کے تحفظ کی اس خدمت کی انجام دہی میں اس محکمہ نے ایسی وحشیانہ مستعدی دکھائی کہ 1481ء سے لے کر 1808 تک اس نے تین لاکھ چالیس ہزار اشخاص کو مختلف سزائیں دیں اور اشخاص سزایاب میں سے تقریباً بتیس ہزار 32000 نفوس زندہ جلا دیئے گئے احتساب عقائد کا عمل ایسا خوفناک اور مہیب تھا کہ پگلیاریسائی کا یہ فقرہ ہزار ہا نفوس کی صدائے بازگشت بن گیا تھا کہ ممکن نہیں کہ کوئی شخص مسیحی ہو اور اطمینان سے اپنی موت مرے۔[4] احتساب عقائد کے حق و سچ کا معیار قرار پانے والے انہی اصولوں نے یورپ کو الحاد و لادینیت اور تشکیک کی اندھیری اور تاریک راہوں کا مسافر بننے پر مجبور کیا کیوں کہ انسانیت پر ڈھایا جانے والا ایسا کوئی ظلم نہیں جس میں ان مذہبی پیشواؤں کا ہاتھ نہ ہو۔

---

[1] Draper, W. J., *History of the Conflict between Science and Religion* (New York: D. Appleton and Company, 1875), 208.

[2] Lecky, W. E., *History of European Morals* (New York: D. Appleton Company), 465.

[3] Johnson, A. H., *Europe in the Sixteenth Century* (London: Rivingtons, 1909), 279.

[4] Draper, *History of the Conflict between Science and Religion*, 207.

بت پرست اقوام کی رسومات کی ترویج:

تیسری صدی کے اوائل سے ہی مسیحی گرجاگھروں کی عبادت اور پیشوائیت کے انداز میں رومی اور یونانی بت پرست اقوام کی صنمیات، طرز عبادت اور معبدوں کے ماحول کے اثرات نمایاں ہوتے نظر آتے ہیں۔ایک مسیحی کی مذہبی زندگی جو بائبل کی رو سے سادگی کا نمونہ، پیچیدہ اور رسمی مذہبی رسومات کی بجاآوری سے پاک ہونی چاہیے تھی اس تمام رنگ آمیزی، غیر فطری اور سحر انگیز ماحول کا شکار ہو گی جو اصنام پرستی کی حامل اقوام کے مذہبی شعائر میں کارفرما نظر آتی ہیں۔اس ضمن میں مسیحی اولیاء کے دربار اور مزار بنانا اور ان پر زائرین کا ہجوم، یہاں یہ امر نہایت توجہ کا حامل ہے کہ مذہبی پیشواؤں نے مسیحی طرز عبادت میں خلط ملط ہونے والی قدیم اقوام کی رسومات کو تنقید و تنقیص کا نشانہ کیوں نہ بنایا؟ دراصل مذہبی پیشواؤں کو ان رسومات کی بجاآوری سے اپنی انا کی تسکین، تحفوں نذرانوں کے حصول اور مالی منفعت کا راستہ کھلتا نظر آیا۔جب ایک مسیحی پادری کے حضور قربانی یا تحفہ پیش کیا جاتا تھا تو اس کی حب جاہ نفسیاتی سطح پر اسے ان قدیم اصنام پرست اقوام کے دیوتا کے ہم پلہ کر دیتی جس کے چرنوں میں قدیم اقوام بھینٹ چڑھایا کرتی تھیں۔ گرجاگھروں میں بت پرست قوموں کے مذہبی تہواروں کو مسیحیت کے خوش نما پردے میں لپیٹ کر قابل قبول بنالیا گیا جیسا کہ دیوتاؤں کو دی جانے والی قربانیاں اور تحائف مسیحی شہیدوں پر نچھاور ہونے لگے عشائے ربانی کا بعض اوقات جنازوں کے موقع پر بھی انعقاد کیا جاتا تھا۔ گرجاگھروں کو عود، لوبان اور عنبر سے معطر کیا جانے لگا اور جلتی ہوئی چمک دار شمعیں اور اگربتیاں استعمال کی جانے لگیں قیمتی اور زرق برق لباس اور مذہبی رسومات کی بجاآوری کے لئے سونے اور چاندی کے منقش ومزین برتنوں کا استعمال ہونے لگا۔ یہ صرف مذہبی پیشوائیت کے زیر اثر ہی ممکن ہو سکا۔

پاپائیت اور قمار بازی:

بعض تاریخ نویس شاکی ہیں کہ اس زمانے کے کلیسیا کی اخلاقی حالت پستی و زوال کی انتہاء کو پہنچ گئی۔ عفت و عصمت، تہذیب و شرافت کے تصورات قصہ پارینہ بن چکے تھے۔ زندگی کو منظّم کرنے والے کسی قانون کی عدم موجودگی، درندگی و وحشت کی حکمرانی جیسے اسباب ایسے عوامل تھے جنہوں نے پورے معاشرہ کی فضا کو تاریک کر دیا تھا، انھیں بری عادتوں میں سے ایک عادت جوا (قمار بازی) بھی تھی۔ شراب خوری و جوئے بازی عوامی زندگی کا محبوب مشغلہ تھا۔ مسیحی تاریخ پر قلم اٹھاتے ہوئے 'Hellen Ellerbe' کا کہنا ہے کہ کلیسیائی حکومت بھی لاٹری میں بھرپور حصہ لیتی ہے اور اسی سود کی رقم سے غریبوں کی مدد کر کے اپنے تئیں خدا کی نظروں میں اپنے مال کو پاکیزہ بنالیتی ہے۔[1] قمار اس حد تک کیتھولک ممالک میں سرایت کر چکا تھا کہ باقاعدہ اس کے لئے تہوار اور تقریبات منعقد کی جاتیں تھیں۔ جوئے کے اثرات باقی اخلاقی بیماریوں سے ہزار گنا زیادہ مرتب ہوئے لوگوں نے اپنی ساری جمع پونجی ان میں لٹانا شروع کر دی ،لوگ اپنے خاندان کے لئے جو کماتے انہیں پاپائیت کی سرپرستی میں چلنے والی قسمت آزمائی کی تقریبات میں اڑا دیتے:

[1] Ellerbe, Helen, *The Dark Side of Christian History* (Chicago: Alice Walker, 1996), 288.

"Clement XII restored the public lottery and made half a million a year from it, out of which, we will admit, he made many improvements in Rome"[1]

"کلیمنٹ دوازدہم نے عوامی لاٹری کوازسرنو مروج کیااوراس سے سالانہ نصف ملین سے زیادہ بٹورا"

مذہب کے نام پر رچائی جانے والی تقریبات اورلاٹری پادریوں کے لئے روپیہ بٹورنے کاسنہری موقع ہوتا تھا۔حالانکہ لاٹری کی رقم تقریبات کی کمائی کی نسبت ہزاروں گنازیادہ خطرناک ہے۔اس زہر نے اٹلی کے ہر علاقہ کوزہر آلود کر دیا تھا۔ ہر حکومت کی اپنی لاٹری ہوتی تھی عموماً دوہفتوں کے اندر ایک مرتبہ لاٹری منعقد ہوتی تھی۔حالات یہاں تک پہنچ چکے تھے کہ جوئے کاکاروبار مذہبی راہنماؤں کی زیر سرپرستی ہوتا تھااور یوم سبت کو بھی جوئے کے اڈے کھلے رکھے جاتے۔حالانکہ اس دن کو یہودی اور بعض مسیحی فرقے آرام اور عبادت کا دن مانتے ہیں۔اسی طرح ہفتے کے پہلے دن اتوار کو اکثر مسیحی آرام، عبادت اور حضرت عیسیٰؑ کے دوبارہ جی اٹھنے کی یادگار کے طور پر مناتے ہیں۔Wylie کی رائے میں پوپ کی زیر نگرانی لاٹری سے متعلقہ کاروبار یوم سبت کو بھی بند نہیں ہوتا تھا۔[2]

کلیسیاء کے تشکیل کردہ معاشرے میں لاٹری اور جوااس قدر سرایت کر چکا تھا کہ ایک دیہاڑی دار مزدور اپنی آمدنی سے کچھ حصہ جو وہ اس مد میں بچاتا تھا کہ وہ کسی فوری ضرورت پڑنے پر خرچ کرے گا،اور جو افلاس کامارا فقیر جو سڑک کے کنارے بھیک مانگتا تھا اگر وہ دو وقت کے کھانے کے لیے پیسے حاصل کرلیتا تو ایک وقت کے کھانے کے پیسے بچاتا تھا۔ یہ دیہاڑی دار مزدور اور بھوکا فقیر دونوں اپنی بچائی ہوئی پونجی سے امیر بننے کے خواب دیکھتے تھے اور اپنی رقم سے لاٹری خریدتے تھے یہاں تک کہ گداگر بھی بھیک مانگتے اور اگر دو وقت کے پیسے اکھٹے ہو جاتے تو امیر بننے کے چکر میں ایک وقت کے پیسے جوئے میں اڑادیتے۔

معاصر اقتصادیات کی اصطلاحات میں کہا جائے تو بے جانہ ہو گا کہ پیشوائیت کی چھتری تلے کلیسیاء ایک روحانی اور مرکز شریعت کی بجائے ایک ان کارپوریٹ (Incorporate) ادارہ بن گیا جس نے روحانی اور شرعی احکامات کی بجائے عوام میں ایسی چیزوں کی تشہیر کرنا شروع کر دی کہ لوگ اسے اپنی دینی ضرورت سمجھنے لگے اور اس سے کلیسیا کی تجوریاں بھرنے لگیں جیسے معافی نامے۔اس کی مؤثر مارکیٹنگ کی جاتی اور صلیب کی مختلف اشکال پر مبنی لوگو(Logo) لوگوں میں مقبول ہوتے اور اس مذہبی سرمایہ دار یعنی کلیسیاء اس کے حق میں فتوے جاری کرتے اور مسیحی عوام اس کے صارف ہوتے اور اس کے بدلے میں ان کو جنت کی عوام دلائی جاتی۔

مسیحیت میں انسانی زندگی کے اہم اور فیصلہ کن مراحل جیسے کہ شادی اور جنازہ میں مذہبی پیشوا کی شمولیت اور سربراہی از حد ضروری ہے اس کے بغیر یہ رسومات کسی بھی طور انجام نہیں دی جاسکتیں جبکہ دوسری طرف اسلام میں نکاح اور جنازہ کے لئے کسی مذہبی راہنما کا بطور پیشوا ہونا یا اس کی رضامندی قطعاً ضروری نہیں اور اسلامی طرز فکر میں یہ امور مذہبی پیشوا کی امامت کے بغیر بحسن وخوبی سرانجام دیئے جاسکتے ہیں۔مگر مسیحیت میں مذہبی پیشوا کے بغیر عبادات ورسومات کی ادائیگی ممکن نہیں۔مذہبی پیشوائیت کو جتنا زیادہ مقام ومرتبہ مسیحیت میں حاصل رہا ہے اس کی مثال دنیا کے کسی مذہب میں نہیں ملتی۔یورپ کی تاریخ پر جتنا نمایاں اثر مذہبی پیشواؤں

[1]McCabe, Joseph, A *History of the Popes* (London: Watts & Co, 1939), 461.

[2]Wylie, *The Papacy its History, Dogmas, Genius and Prospects*, 465.

نے ڈالا ہے اتنا کسی بادشاہ حتی کہ الیگزینڈر (Alexander) اور سیزر (Caesar) بھی نہ ڈال سکے۔اور یہ ادارہ اتنا اثر ونفوذ اختیار کر چکا تھا کہ عہد وسطیٰ کے تمام قابل ذکر ادارے جیسے سکول، عدالتیں، ہنر مندوں کی جماعتیں، فوجی نظام، شہری روایات اور تجارتی راہدیاں مرور ایام کی بدولت اپنی ہیت اور ساخت بدل رہے تھے اگر کوئی ادارہ ثابت قدمی سے اپنے وجود کو قائم رکھے ہوئے تھا اور ہر نئی صورتحال میں اپنے آپ کو ڈھال رہا تھا وہ پاپائیت (Papacy) کا ادارہ تھا جس نے اپنے عقائد اور نظریات کی ترویج واشاعت میں ظلم وستم اور جبر اکراہ کے تمام ہتھکنڈے آزمائے اور تمام شعبہ ہائے زندگی کو متاثر کیا۔

اسلام، مذہبی پیشوائیت اور خلط مبحث:

مذاہب عالم کی تاریخ میں مذہبی پیشوائیت کے خلاف نظریاتی اور عملی محاذ پر جس دین نے آواز بلند کی وہ اسلام ہے۔ جس نے مذہبی پیشواؤں کا یہ دعویٰ باطل قرار دیا کہ انسان کے لیے خدا تک پہنچنے اور شفاعت حاصل کرنے کا صحیح وسیلہ انہیں کی ذات ہے۔اسلامی تعلیمات کے مطابق امام فقط نماز کی امامت تک ہی ذمہ داری ادا کرتا ہے اور بندے اور خدا کے درمیان ہر گز حائل ہونے کے اختیارات کا حامل نہیں ہے یعنی امام وہ ہے جسے مسلمان اپنا پیشوا اور مقتدا قرار دے لیں[1] نہ کہ اس کا تعین الہامی تسلیم کیا جائے۔ مذہبی پیشوائیت کی مسیحی و مسلم روایت کا تقابل کرتے ہوئے جو سب سے بڑی دقت پیش آتی ہے وہ یہ ہے کہ مسلم تعلیمات میں روایتی مذہبی پیشوائیت کا ذکر سرے سے ہے ہی نہیں اس مشکل کو تھامس آرنلڈ اس طرح بیان کرتے ہیں:

> *"Much misunderstanding has arisen from the failure to recognize all the implications connected with the absence of a priesthood in Islam"*[2]
>
> "اسلام اور مسیحیت میں موازنہ کرتے ہوئے سب سے زیادہ الجھاؤ اس نکتہ پر پیدا ہوتا ہے کہ جب اسلام میں مذہبی پیشوا کا اس طرح کا وسیع مذہبی تسلط نہیں ملتا جو مسیحیت میں پوپ کو حاصل ہے"

سامی ادیان میں دین اسلام ہی وہ واحد دین ہے جس میں مذہبی پیشوائیت 'Priesthood' جیسے کسی بھی ادارے کا کوئی تصور موجود نہیں ہے جبکہ مسیحیت میں مذہبی پیشوائیت اور اس سے متعلق جبر واکراہ کے امور تاریخی طور پر ثابت ہو چکے ہیں۔ مسلم معاشرے اور مسلم اداروں کو جب دوسری اقوام وملل کی مذہبی روایات کے تناظر میں دیکھا جائے تو حقیقت حال واضح نہیں ہوتی اسی رجحان کے بارے میں تھامس آرنلڈ کا کہنا ہے کہ مسیحی نظریات اور مسیحیت کے کلیسیائی نظام سے شدبد رکھنے والے مسیحی دانشوروں کو یہ عادت ہو جاتی ہے کہ وہ مسلم معاشرہ اور مسلم مذہبی اداروں کو اپنی مسیحی مذہبی روایات کی عینک سے دیکھتے ہیں لیکن وہ مسیحی مذہبی روایات مسلم دنیا سے بالکل بھی مطابقت نہیں رکھتیں۔اسلام میں اللہ کا تصور اور صفات ربانی کی توضیح ان انسانی خصوصیات سے بالکل متضاد اور ممتاز ہے جن سے ایک مسیحی خداوند خدا کو متصف کرتا ہے۔اسلام میں بندے اور اللہ کا تعلق ان روایتی مسیحی تعلیمات سے سراسر مختلف ہے جو مسیحی

---

[1] دہلوی، مفتی محمد کفایت اللہ، **کفایت المفتی**، مرتب: حفیظ الرحمن واصف (کراچی: سکندر علی تاجران کتب، س ن)، ۱۲۸.

[2] Thomas Arnold, *The Caliphate*, 16.

تعلیمات ' تجسیم ' کے نظریہ کی صورت میں سامنے آتی ہیں۔ مولانا حنیف ندوی مذہبی حکومت کے تاریخی ارتقاء سے متعلق کہتے ہیں کہ تھیاکریسی کا تعلق اس عہد سحری 'Magic Age' سے تو ہوسکتا ہے جس میں کاہنوں اور پروہتوں سے ہر مسئلہ میں استصواب کیا جاتا تھا اور انفرادی معاملات سے لے کر امور مملکت تک میں ان کی رائے کو اہم مانا جاتا تھا۔ بنی اسرائیل میں اس طرز حکومت کی جھلک نظر آتی ہے جب احبار اور کاہنوں کو معاشرہ پر پورا پورا قابو حاصل تھا۔ اس طرز حکومت کا ثبوت کلیسیا کے اس ہمہ گیر اقتدار میں بھی ملتا ہے جس نے عقل وادراک کے خلاف صدیوں محاذ جنگ قائم رکھا مگر دین اسلام میں نظریاتی یا تاریخی اعتبار سے تھیاکریسی یا پاپائیت کا سایہ تک کبھی نہیں پڑا۔[1] خلیفہ کے بارے میں تھامس آرنلڈ کا کہنا ہے کہ اسلام میں خلیفہ کے مقام کو سمجھنے کے لیے یہ اہم ہے کہ اس نکتہ کو ذہن نشین کیا جائے کہ خلیفہ بنیادی طور پر ایک سیاسی عمل دار ہے اور اگرچہ وہ بوقت ضرورت مذہبی امور انجام دے سکتا ہے لیکن ان اعمال کی ادائیگی سے ہر گز اسے کوئی ایسی بے مثل روحانی طاقتیں حاصل نہیں ہو جاتیں جو اسے باقی مسلمانوں سے ممتاز کریں۔[2] اسلام میں تو 'سردار قوم کا خادم ہوتا ہے' کا رویہ ہے کہ خلیفہ کی غلامی کا جوا عوام کی گردنوں پر نہیں ہوتا بلکہ خود خلیفہ کو مسؤلیت رعیت کا احساس ہمہ وقت ان کی خدمت پر کمربستہ رکھتا ہے۔

خلاصہ بحث:

1. انسانی دماغ کی آزادی اور اسے علمی و تخلیقی سطح پر آنے سے عیسائی چرچ نے خاصا پیچیدگی والا امر بنادیا۔ تاریخی شواہد بتاتے ہیں کہ خود انسان نے ہی انسان کو اس بنیادی حق سے محروم کیا اور انسان جسمانی یا فکری طور پر فرد، سماجی گروہوں یا ادارے کا غلام ٹھہرا۔ اس انسانی استحصال میں فرد، سیاسی گروہ اور معاشرتی طبقات کے ساتھ ساتھ کارپردان مذہب بھی شامل ہیں۔ آخر الذکر فریق نے فرد کی آزادی کو مذہب کے نام پر سلب کیا اور اس آزادی سلب کرنے میں مذہبی پیشوائیت کا کردار نہایت غیر مستحسن رہا۔
2. مذہبی پیشوائیت کو جتنا زیادہ مقام و مرتبہ مسیحیت اور ہندومت میں حاصل رہا ہے اس کی مثال دنیا کے کسی مذہب میں نہیں ملتی۔ اپنے لوگوں کا تحفظ اور بچاؤ کرنا اور جسمانی اور روحانی سکون کو بحال کرنا، یہ وہ تمام امور ہیں، جو مذہبی پیشوا کی ذمہ داریوں کا بھی محور رہے ہیں۔
3. عصر حاضر میں جبر اور انتہاپسندی کو مذہب سے عمومی طور پر اور اہل مغرب کی طرف سے خصوصاً اسلام کے ساتھ منسلک کیا جارہا ہے اور مسلم دنیا پر پسندی کا اتہام تواتر کے ساتھ لگایا جارہا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ مذہبی جبر کے محرکات کا جائزہ لیتے ہوئے کتب مقدسہ کی روشنی میں مذہبی پیشوائیت کی حیثیت کا تعین کیا جائے اور معاصر

[1] ندوی، محمد حنیف، **اساسیات اسلام** (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۲۰۰۹ء)، ۱۸۱.

[2] Thomas Arnold, *The Caliphate*, 17.

دنیا میں عدم برداشت، تنگ نظری اور مذہبی شدت پسندی کے اصل کرداروں کا تجزیہ کرکے حقائق کو سامنے لایا جائے۔

@ 2020 by the author, this article is an open access article distributed Under the terms and conditions of the Creative Commons Attribution (CC-BY) (http://creativecommons.org/licenses/by/4.0/)